ہندوستان میں اسلامی سلطنت
اور
فارسی صحافت کا آغاز

از

(جناب کنور حسین صاحب ایم - اے بار ایٹ لا)

ہمارے کرم فرما آر بی کنور حسین صاحب بار ایٹ لا مقیم دہرہ دون نے ہندوستان و ایران کے ادبی روابط پر ایک مفید کتاب تالیف فرمائی ہے۔ زیر نظر مضمون اس کتاب کا باب ہفتم ہے جس میں علماء، فقراء اور صوفیائے کرام کی ایران سے ہندوستان میں آمد کے اسباب، شیخ سعدی شیرازی کی سیاحت، خواجہ حافظ اور شیخ سعدی کی مقبولیت کے اسباب، امیر خسرو کی شاعری اور ان کی تصنیفات کی اثر انگیزی اور تیمور اور اس کے جانشینوں کی علمی و ادبی وابستگیوں اور دلچسپیوں کی تفصیل دی گئی ہے۔ (برہان)

اسلامی سلطنت شمس الدین التمش کے عہد میں جب دہلی کے اندر مستحکم ہو گئی تو علماء ایران کے لئے بھی ہندوستان آنے کا راستہ کھل گیا۔ اور یہ سلسلہ تیزی کے ساتھ بڑھنے لگا۔ افغان بادشاہان دہلی کے پاس زر و جواہرات کی فراوانی تھی اور قدرتاً ان کو اپنے ہم وطنوں، ہم مذہبوں اور ہم زبانوں کی خاطر داری منظور تھی۔ علاوہ ازیں ہندوستان کی آب و ہوا معتدل، خوشگوار اور کھانے پینے کے سامان کی افراط و ارزانی تھی۔ یہاں کے باشندوں میں رواداری اور مہمان نوازی جزو اخلاق و ایمان تھی۔ جو اہل قلم یا صاحب ہنر ایران سے ایک دفعہ بھی ہندوستان آجاتا وہ یہاں سے اپنے وطن کو واپس جانا نہیں چاہتا تھا۔ اور اس ملک کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو جاتا تھا۔ احمد

رازی نے اپنے تذکرہ ہفت اقلیم میں لکھا ہے ؎

اے خوشا فصل دی بہ ہندوستان ۔۔۔ کہ شود خانہ و چمن بستان
نہ نے از برف پنبہ پشت شود ۔۔۔ نہ ز سرما شکنج مشت شود
نہ شود سبزہ کم ز دشت فراخ ۔۔۔ نہ ز پوشش برہنہ گردد شاخ

علاوہ ازیں تیرھویں، چودھویں پندرھویں اور سولھویں عیسوی صدیوں میں بادشاہان ایران و ہندوستان کی طبائع ادبی و اشواقِ علمی میں ایک قسم کا بعد المشرقین واقع ہو گیا تھا۔ یعنی ہندوستان میں فارسی شعراء علماء اور ایرانی عرفاء و فقراء کی قدر دانی ہونے لگی اور خود ان کے اپنے ملک و وطن میں بے قدری و بے حرمتی۔ عہد خلافت کے اختتام اور شیعی سلطنت صفوی کے آغاز سے ہی ایران میں مذہبی تعصب کا دور دورہ شروع ہو گیا تھا۔ اور شاہان صفوی نے جو شیعیت کے علمبردار تھے اہالیان سنت و تصوف پر سختیاں روا رکھیں۔ اندریں حالات کثیر التعداد اصحاب کمال نے ترک وطن کر کے ہندوستان میں رہائش اختیار کر لی۔ چنانچہ شمس الدین التمش نے بخارا کے مشہور شاعر قاآنی کو پناہ دی۔ اسی بادشاہ کے دوران میں محمد عوفی نے ہندوستان آ کر وزیر ناصر الدین قباچہ کی ملازمت اختیار کی اور کئی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ لب اللباب جو ناصر الدین کی خاطر لکھی گئی اور دوئم جامع الحکایات جو التمش کو معنون کی گئی۔

سلطان شمس الدین التمش بقول مورخین منہاج الدین مولف طبقات ناصری و ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی علاوہ عالی حوصلہ و جلیل القدر حکمران ہونے کے روشن دماغ اور صاحبِ مذاق شخص تھا۔ اور مشائخ کرام و اولیائے عظام کا دلدادہ۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ... زاد بوم اصفہان اور اپنے وطن ایران کو خیرباد کر کے پہلے لاہور دہلی اور بالآخر ا... کو بدرجہ غایت عقیدت تھی اور بعد ازاں ان کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بخ... کر کے ان کو شیخ الاسلام کا خطاب پیش کیا جو خواجہ نے منظور نہیں کیا۔ بعد ازاں اپنا لقب القطبی رکھ کر اپنی ارادت کا اعتراف و اظہار کیا۔ علمی مذاق و رغبت شعر کا

اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ناصری شاعر کو اپنے قصیدے کے صلہ میں جس میں ترپن (۵۳) ابیات تھے ترپن ۵۳ ہزار تنکہ انعام دیئے۔

التمش کے دو جانشینوں کے بعد اس کے غلام اور داماد غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت میں بھی شہر دہلی شرفاء علما اور عرفائے اسلام کا مرجع عام بن گیا تھا۔ نہ صرف ایران روم و شام کے بلکہ خراسان، عراق اور آذربائجان تک کے شہزادے اور حکمران چنگیزیوں کی ترکتازی کے خوف سے بھاگ کر دہلی میں بلبن کے دامن عاطفت میں بآرام رہنے سہنے لگے تھے۔ انہی نو واردوں کے ناموں پر دہلی میں پندرہ ۱۵ نئے محلے آباد ہو گئے۔ اسی دوران میں متعدد مشائخ عظام ہندوستان میں وارد ہوئے اور اسی وجہ سے عہد بلبن کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں خیر الاعصار کہا گیا ہے۔

شیخ سعدی کی آمد ہندوستان میں مہاجرین میں شیخ مصلح الدین سعدی کا نام نہایت ممتاز ہے۔ جن کو اپنا وطن شیراز ترک کرنا پڑا کیونکہ ایران کے اندر اس زمانہ میں شورش فساد اور طوائف الملوکی کا بازار گرم تھا۔ شیخ سعدی نے بمصداق ؏ ملک خدا تنگ نیست۔ پائے گدا لنگ نیست۔ اپنی تیس سالہ سیاحت میں چند سال ہندوستان میں بھی گذارے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے ولی عہد منظور نظر سلطان محمد المعروف خان شہید نے جب وہ ملتان کا نائب الحکومت تھا دوبارہ بارہ ہزار روپیہ خرچ راہ بھیج کر شیخ سعدی کو ملتان آنے کی دعوت دی۔ مگر حضرت نے ضعف پیری کا عذر کر کے معافی چاہی۔ البتہ اپنا کلام نقل کر کے سلطان کے نام ارسال کر دیا۔ اور امیر خسرو کے لئے سفارش کی اور لکھا کہ وہ مبرہ نعم البدل ہیں۔ سعدی کی کثیر التعداد تصانیف میں سے گلستاں، بوستاں اور دیوان سعدی نے وہ شہرت و مقبولیت حاصل کی کہ فارسی کی دنیائے ادب میں سوائے معدودے چند مثنیات کے (یعنی شاہنامہ، مثنوی مولانا روم اور دیوان حافظ کے) اور کسی کو میسر نہیں ہوئی۔ بقول مولانا جامی

در شعر سہ کس پیمبرانند ہر چند کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِی

ابیات و قصیدہ و غزل را فردوسی و انوری و سعدی۔

ایران و ہند کے روابط ادبی میں جن مردان خدا نے بے حد اضافہ کیا ان میں شیخ سعدی کا نام نامی نہایت

بند و روشن ہے۔ سعدی کے کلام سے ہر طبقہ و قماش۔ ہر طبیعت و مذاق کا آدمی لطف اور استفادہ حاصل کر سکتا ہے۔ گلستاں و بوستاں میں پند و نصائح کو عام فہم حکایات کے پیرایہ میں نہایت خوش اسلوبی اور اختصار کے ساتھ نظم و نثر کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔ جیسا کہ مشتے نمونہ از خروارے ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہوگا۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر غیر بدبیں مباش — دوم آنکہ بر خویش خودبیں مباش
یکے دیدم از عرصۂ رودبار — کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
چناں ہول از آں حال بر من نشست — کہ ترسیدم پائے رفتن ببست
تبسم کناں دست بر لب گرفت — کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شگفت
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

سعدی کے کلام میں اگرچہ تنوع و رنگینی بدرجۂ کمال ہے اور عشق و محبت کے علاوہ کہیں کہیں تمسخر و مزاح بھی پایا جاتا ہے جو ان کی شوخیٔ طبع۔ فطری ذہانت اور آزادمنشی کا مظہر تھا۔ مگر زیادہ تر اور گہرا رنگ تصوف کا ہی ملتا ہے۔ جو ان کے پیر و مرشد کامل حضرت شہاب الدین سہروردی کے فیضانِ صحبت کا اثر تھا۔ جیسا کہ اشعار ذیل سے عیاں ہوتا ہے۔ ؎

ما مقبلانِ کوئے دل افگاریم — رخ بر بنیاد دین نہی آریم
مرغ شاخ درخت لاہوتیم — گوہر درج گنج اسراریم
دیگر: برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

سعدی کے اشعار میں بھی اوپنشدوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ؎

بر الٰہیتش — فرو ماندہ در کنہ ماہیتش
[illegible] اتش پرد مرغ وہم — نہ در ذیلِ وصفش رسد دستِ فہم
بری ذاتش از تہمت ضد و جنس — غنی ملکش از طاعت جن و انس

چہ شبہا نشستم درین دیر گم | کہ حیرت کشید آستینم کہ قم
درین ورطہ کشتی فرو شد ہزار | کہ پیدا نشد تختہ بر کنار
اگر طالبی کایں زمیں طے کنی | نخست اسپ باز آمدن پے کنی

اسی طرح گلستاں کے آغاز میں جو حمد ربی درج ہے وہ ایک گونہ تحمل، ضبط نفس، حبس دم یا یوگ ابھیاس کی کلید ہے۔ منت مرخدائے را عزوجل کہ طاعتش موجب قربت است۔ و بشکر اندرش مزید نعمت ہر نفسے کہ فرو می رود ممد حیات است۔ چوں برمی آید مفرح ذات۔ پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بہر نعمتے شکرے واجب ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز | کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند | آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد
اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم | وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بپایاں رسید عمر | ما ہم چنیں در اول وصف تو ماندہ ایم

حافظ شیرازی کو ہندوستان آنے کی دعوت

خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی کو دکن کی برہمنی سلطنت کے بادشاہ محمود شاہ اور بنگال کے بادشاہ غیاث الدین نے ہندوستان آنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ مگر حافظ کو موقعہ سفر نہ ملا۔ البتہ انہوں نے اپنی ایک غزل شاہ بنگال کی خدمت میں ارسال کر دی۔ جس کے چند ابیات ذیل ہیں۔ ؎

ساقی حدیث سرو و گل و لالہ می رود | ایں بحث با ثلاثہ غسالہ می رود
شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند | ایں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود
طی مکاں بہ بیں و زماں در سلوک شعر | کایں طفل یک شبہ رہ یک سالہ می رود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دیں | خامش مشو کہ کار تو از نالہ می رود

حافظ کا کلام تمام تر صوفیانہ ہونے کے علاوہ آزادانہ بلکہ رندانہ رنگ میں رنگا ہوا ہوتا تھا اور ریاکاری اور ظاہری زہد و ورع کی جڑ کاٹتا تھا جیسا کہ اشعار ذیل سے صاف عیاں ہوتا ہے۔ ؎

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

بنابریں ہم عصر ملّاؤں اور طریقت پرستوں نے حافظ کی بھی بے قدری کی یہاں تک کہ ان کی وفات پر لوگوں کو ان کے جنازہ کے ساتھ جانے اور فاتحہ پڑھنے سے باز رکھنا چاہا۔ مگر روایت ہے کہ بعض حاضرین وقت کے اصرار پر ان کے دیوان سے فال لی گئی تو یہ شعر برآمد ہوا ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ کہ گو غریق گناہ است می رود بہشت

اس پر سب نے بالاتفاق نماز جنازہ ادا کی۔ خواجہ حافظ کو ہندوستان میں فارسی داں طبقہ میں لسان الغیب یا ترجمان الاسرار کے بلند القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ جو مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ان کے متعلق مرقوم کئے تھے اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ دیوان حافظ کی غزلوں میں عشق مجازی کے پردے میں عشق حقیقی کا مزا اور کیف و وجدان کا لطف بے پایاں ہے جو ارباب تصوف کا ہی حصہ اور تعلیم و دیانت کی شان ہے۔ کئی اہالیان نظر جو قرعہ اور فال پر اعتقاد رکھتے ہیں دیوان حافظ کے اشعار سے کتب مذہبی کی تقلید پر فال نکالتے ہیں چنانچہ یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ شاہان ہمایوں و جہانگیر نے بھی کئی مرتبہ دیوان حافظ سے فالیں لیں۔ جن کو انھوں نے درست پایا۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ کا ذکر کر دینا کافی ہوگا۔ جب ملک بدر ہمایوں ایران سے روانہ ہو کر ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ تب اس نے فال نکالی۔ دیوان حافظ کا شعر ذیل برآمد ہوا ؎

دولت از مرغ ہمایوں طلب و سایۂ او زانکہ با زاغ و زغن شہپرِ دولت نبود

پہلے مصرع میں لفظ ہمایوں دیکھ کر ہمایوں خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ اور اس کو فتح و کامیابی کا پورا نقد ہو گیا۔ دیوان حافظ کا جو قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے اس میں کئی جگہ جہانگیر کی دستخطی پائی جاتی ہیں۔ جن سے پتہ لگتا ہے کہ کون کون سے اشعار بطور فال برآمد ہوئے تھے۔ آزاد بلگرامی

مرداں ز خاک ہم خبرِ آسماں دہند فالِ کلام حافظ شیراز کن لحاظ

اس زمانہ میں جب چنگیز خاں اور ہلاکو کی سفاکی اور غارت گری سے نہ صرف چین و تاتار و توران بلکہ ایران

وافغانستان کے حکام و فرمانروایان بھی ہراساں اور باشندگان پریشان تھے ارباب علم واصحاب معرفت بمصداق

ترحل عن مکان فیہ ضیم — وخل الدار تنعی من بناھا

ان اطراف وجوانب کو چھوڑ چھوڑ کر ہندوستان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ دسویں صدی عیسوی میں بابا ریحان بغداد سے کئی درویشوں کو ساتھ لے کر بروچ میں آبسے۔ نورالدین یمن سے آکر گجرات میں رہنے لگے، علی بن عثمان الہجویری صاحب کشف المحجوب غزنی سے لاہور میں آکر آباد ہوگئے۔ شیخ اسمٰعیل بخاری و فریدالدین عطار مصنف منطق الطیر و تذکرۃ الاولیاء نے بھی اپنی سیاحت کے دوران میں کچھ عرصہ ہندوستان میں گذارا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ۔ سید شاہ میرؒ۔ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ شیخ بہاؤالدینؒ وغیرہم نے ہندوستان کے مختلف مقامات میں سکونت اختیار کی۔ شیخ ابراہیم عراقی نے جو شاعر اور عارف معروف تھا اپنے وطن سے ہجرت کرکے شہر مولستھان (ملتان حال) میں شیخ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں قریباً پچیس سال ریاضت کی۔ اسی سلسلہ میں کئی دیگر مردان راہ خدا مثلاً حضرت نظام الدین اولیاء۔ شاہ چراغ داتا گنج بخش۔ شاہ بوعلی قلندر شاہ نورالدین سلیم چشتی نے وقتاً فوقتاً ہندوستان کے شہروں کو ہی اپنی تعلیم وتلقین کا مرکز بنایا یہ جلیل القدر درویش اگرچہ ظاہری طریقت اور شریعت کی پابندی مناسب سمجھتے تھے (بقول طریقت رو۔ شریعت گو۔ حقیقت در ز باید بود۔ کہ شیر در دہن دارد جمعیت شود حلوا) مگر ان کے عقاید اور اخلاق قیود دینی سے بالا و برتر ہوتے تھے اور اپنی ذاتی ریاضت اور خدائی برکت سے کئی مراحل و مدارج طے کرکے اعلیٰ مقامات و مراتب روحانی پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے ان کے عقیدتمندوں کے دائرے میں نہ صرف مسلمان رعایا ہی بلکہ بادشاہان دہلی بھی آگئے تھے۔ چنانچہ سلطان شمس الدین التمش نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی عقیدت کے لحاظ سے اپنا لقب القطبی رکھا۔ اور اکبر بادشاہ بھی ابتداء خواجہ معین الدین چشتی کا معتقد تھا۔ اندریں حالات کثیر التعداد اہل ہنود بھی ان اولیائے کرام کا بہت احترام کرتے تھے۔ ان مشائخ عظام کی تصانیف عربی۔ فارسی اور ریختہ میں لکھی جاتی رہیں۔ ان میں سے قریب قریب تمام اصحاب کو صوفیائے کرام کے زمرے میں متصور کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا مشرب کس میازار و ہر دلعزیزی۔ صدق و صفا اور تنافر از ریا ہوتا تھا۔ ؎

مباش در پے آزار و ہرچہ خواہی کن — کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

شیخ فریدالدین گنج شکر نے پنجاب میں سکونت اختیار کی۔ ذیل کے اشعار ان سے منسوب ہیں جو فارسی و ریختہ کا معجون مرکب ہیں: ؎

وقت سحر وقت مناجات ہے   خیز دراں وقت کہ برکات ہے
نفس مبادا کہ بگوید ترا   خسپ چہ خیزی کہ ابھی رات ہے
ہند شکر گنج بدل لشنوی   ضائع مکن عمر کہ ہیہات ہے

حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کی نسبت روایت ہے کہ ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے سلطان علاء الدین خلجی نے امیر خسرو کو ان کی خدمت میں متعین کیا۔ خسرو نے اپنے شعر و اشعار اور گانے بجانے سے حضرت کو خوش کر لیا۔ تب حضرت قلندر نے بھی کچھ اپنا کلام سنایا۔ جس کا نمونہ ذیل ہے ؎

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے   بدھنا ایسی رین کو بھور کبھو نہ ہوئے

اسی مضمون کو فارسی میں اس طرح ادا کیا گیا ؎

من شنیدم یار من فردا رود راہ شتاب   یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

اگرچہ ان مشائخ کی تصانیف کی ترویج و اشاعت ان کے اپنے زمانوں میں زیادہ تر ہندوستان میں ہی محدود رہی کیونکہ ایران میں تین چار صدیوں تک شیعیت اور تعصب مذہبی کا دور دورہ رہا۔ تاہم ایران کے صوفی مشرب علماء غیر متعصب عرفا و فضلا بھی ان اصحاب کرام کی بزرگی اور معرفت کا اعتراف کرتے رہے ہیں چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ان میں سے متعدد صوفیائے کرام کا تذکرہ اپنی مستند کتاب نفحات الانس میں درج کیا ہے۔ عربی روابط بین الممالک ہند و ایران میں ان صوفیائے کرام کا بہت بڑا حصہ سمجھا جانا چاہیئے کہ ان حضرات کے افعال و اقوال و تصانیف کے اثرات معاشرتی اخلاقی و روحانی دنیا میں بہت دور اور دیر تک رہتے ہیں۔ فقرہ "ہنوز دہلی دور است" جو ایک ولی اللہ کی زبان سے نکلا جزو محاورہ ہے اور بیت ذیل جو حضرت خواجہ قطب الدین کو وجد میں لے آیا کرتا تھا اب تک محافل میں قوالوں کی زبانی بار بار سنا جاتا ہے۔ ؎

کشتگان خنجر تسلیم را   ہر دمے از غیب جانے دیگر است

شاہ بو علی قلندر کے ابیات ذیل بھی مشہور ہیں ؎

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی نورِ حق بر من بخند
اے حقیقت داں گذر کن از مجاز چند باشی در مقامِ حرص و آز
چند در کثرت نمائی خویش را یک زماں در خانۂ وحدت بیا
آشنا کن آں چناں با یارِ خویش تاکہ خود را گم کنی از کارِ خویش

وصّافی کا قول ہے ؎

کہ بچشمان دل مبیں جز دوست ہر چہ بینی بدانکہ مظہرِ اوست

انہی بزرگوں میں سے ایک کا قول تھا ؎

چار گوشہ در کلاہم می نماید چار ترک ترکِ دنیا۔ ترکِ عقبیٰ۔ ترکِ مولیٰ۔ ترکِ ترک

بقول نیاز ؎

مستانِ جامِ عشق کہ لاف از فنا زنند جاں می دہند و خیمہ بملکِ بقا زنند

امیر خسرو: خلجی اور تغلق بادشاہانِ دہلی کے زمانہ میں ہندوستان کے اندر ایک ایسا بلند پایہ شاعر پیدا ہوا جس نے فارسی زبان کی کثیر التعداد شاہکار تصانیف سے ثابت کر دیا کہ ایک ہندوستانی بھی جس نے ایران یا توران میں کبھی قدم نہ رکھا ہو ایرانی اہلِ زبان شاعروں پر سبقت لے جا سکتا ہے یہ شخص امیر خسرو تھا۔ جن کے والد ترکی النسل تھے اور والدہ ہندی خاتون تھیں۔ خسرو نے جلال الدین اور علاء الدین خلجی اور بعد ازاں کیقباد و محمد تغلق کے دربار میں ملازمت اختیار کر کے فارسی ادب اور ہندی ساہتیہ ہر دو کی خدمت انجام دی اور دین دنیا کی شہرت حاصل کی۔ خسرو کے قصائد خاقانی اور انوری کے ہم پلہ سمجھے جاتے ہیں اور بلحاظ صنائع و بدائع تجنیس و ایہام وغیرہ متقدمین سے فائق۔ اس کی غزل کی شیرینی بدرجہ کمال ہے۔ بقول خود ؎

خسرو سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

اس کی مشہور تصانیف ذیل ہیں۔

شیریں خسرو۔ لیلیٰ مجنوں۔ آئینہ سکندری۔ ہشت بہشت۔ قران السعدین۔ اور دیوان نظم ہیں اور

شکرستان۔ نہ سپہر۔ تاریخ دہلی۔ خزاین الفتوح اور چند رسالے علم موسیقی کے نثر میں ہیں۔ دیگر تصانیف کو چھوڑ کر اگر صرف ایک کتاب قران السعدین کا ہی مطالعہ کیا جائے تو پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ شاعر کس اونچے درجہ کا ہے۔ اس مثنوی میں بھی جدت، ندرت اور ایجاد پسندی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اور نظامی کی مثنوی سے کسی طرح سے کم نہیں ہے جو حمد ربی اس میں درج ہے وہ سعدی کی حمد منظوم کی ہمسری کرتی ہے ؎

واجبِ اول بوجودِ قدم — نے بوجودے کہ بود از عدم
پیشتر از وہم خرد پروراں — بیشتر از فہم فراست گراں
دل متغیر کہ چہ داند ورا — روح دریں گم کہ چہ خواند ورا
نور فزائے بصر دوربیں — دیدہ کشائے دل عبرت گزیں

یہ مثنوی خسرو نے اپنے آقا نامدار تغلق شاہ کی فرمائش پر لکھی تھی جس کے لئے بیش بہا موتیوں کی لڑیوں کی تھیلی بد پیشگی مرحمت ہوئی تھی۔ اور تکمیل پر انعام و اکرام کما حقہ کی امید تھی ؎

خواستہ چندانت رسانم ز گنج — کز پئے خواہش نبری ہیچ رنج

مگر تغلق شاہ مرض الموت لاحق ہو جانے کی وجہ سے شاعر کی اس توقع کو پورا نہ کر سکا اگرچہ خسرو بھی مثل فردوسی حصولِ حق الخدمت میں ناکام رہا۔ مگر ہندی شاعر نے ایرانی استادِ سخن کی نسبت زیادہ بلند خیالی کا ثبوت دیا اور بجائے ہجو لکھنے کے حسب ذیل اشعار موزوں کئے ؎

من کہ نہادم ز سخن گنجِ پاک — گنج زر اندر نظرم چیست خاک
گر دہدم تاجورِ سر بلند — دُر، متوں باز بدریا فگند
بہر دانند کہ چندیں گہر — کس نہ فشاند بدو سہ بدرہ زر
ہدم گنج فریدوں و جم — ہدیہ یک حرف بود بلکہ کم

در کہا ؎

نیست آں دارم ازیں پس بہ راز — کز درشہ سیر شوم بے نیاز

نظامی گنجوی کے خمسہ کے مقابلہ میں خسرو نے بھی خمسہ لکھا اور نہایت زبردست لکھا جس کی

تولیف سب سخنداں کرتے ہیں بلکہ بعض اصحاب نکتہ رس نظامی پر ترجیح دیتے ہیں۔ خسرو نے اس خمسہ میں شاعرانہ تعلّی کے طور پر کہا تھا کہ ؎

دبدبۂ خسرویم شد بلند زلزلہ در گورِ نظامی فگند

اس پر کسی ہم عصر حاسد نے اس کو طعنہ دیا۔ اور کہا ؎

دُزدِ نظامی توی اے خود پسند مرتبۂ دزد نہ گردد بلند

مثنوی قران السعدین کے مندرجہ ذیل اشعار اسی خوردہ گیری کے جواب سمجھے جا سکتے ہیں ؎

دزد نیم خانہ بر دیگرے خانۂ کشادہ ز درِ دیگرے

طرفہ کہ شان دزد و من از شرم پاک صاحب کالا من و من شرمناک

امیر خسرو کی تصانیف گو اس کے ہم عصر اور مابعد کے علماء و فضلائے ایران بھی نہایت شوق سے مطالعہ کرتے رہے ہیں اگرچہ بعضوں کو اس کے کلام میں ایرانی محاوروں کے درست استعمال کی نسبت کلام تھا۔ تاہم جب سعدی شیرازی کا یہ اعتراف تھا کہ خسرو میرا نعم البدل ہے تو اس سے زیادہ اس کی قادر الکلامی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے خسرو کے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مثل نظامی اس کا دلی رجحان معرفت حقیقی اور تصوف کی طرف ہی تھا۔ جیسا کہ اس کے اشعار ذیل سے ترشح ہوتا ہے

ستم است گر ہوست کشد۔ کہ بسیر سرو و سمن درا تو ز غنچہ کم ندمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن درا

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند آرے آرے می کنم با خلق ما را کار نیست

چہ تدبیر اے مسلماناں کہ من خود را نمی دانم نہ ہندوام نہ گبرم نے نصاریٰ نے مسلمانم

خسرو حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خاص مریدوں میں سے تھے اور اواخر عمر میں شاعری کے اعلیٰ مراحل طے کر کے تلامیذ الرحمٰن اور عرفائے زماں کے درجے پر پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اس مردِ خدا کے نام نامی کو اپنی تصنیف نفحات الانس میں دیگر مشائخ عظام و صوفیائے کرام میں جگہ دی ہے۔ خسرو کا کلام نہ صرف فارسی زبان بلکہ ہندی بھاشا میں بھی معروف ہے اور اس امر کا شاہد ہے کہ ہندوستان میں ایرانی اور ترکی اقوام اور فارسی زبان کی درآمد سے یہاں کی بول چال اور بھاشا میں کس قدر تبدیلیاں ظہور پذیر

پرکرات۔ ڈنگل اور ننگل اور اپ بھرنش بھاشا نے دہلی کی کھڑی بولی کا لباس پہن لیا۔ اور ایک قسم کی نئی ملی جلی زبان ریختہ کی آمد آمد شروع ہو گئی جو دو صدیوں بعد مغلیہ عہد میں اردو کے نام سے نامزد ہوئی جس طرح حافظ نے بعض بعض غزلیات میں ایک مصرع فارسی کے ساتھ دوسرا مصرع عربی کا موزوں کیا تھا مثلاً

الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا — کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا
از خون دل نوشتم نزدیک یار نامہ — انی رأیت دہرا من ہجرک القیامہ

اسی طرح خسرو نے بھی کئی اشعار ہندی فارسی کے ملے جلے لکھے مثلاً سے

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں — کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجراں دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ — سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں۔ ز مہر آں مہ بگشتم آخر — نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجیں پتیاں

فیروز شاہ تغلق اور سکندر لودھی بھی علم دوست اور علماء پرور بادشاہان دہلی تھے۔ ان کے عہد میں کئی مدارس قایم ہوئے اور کثیر التعداد فارسی عربی علماء و فضلا کو لاکھوں روپیہ سالانہ مشاہروں پر بغرض تعلیم مقرر کیا گیا۔ سکندر لودھی پہلا مسلمان فرمانروائے دہلی تھا۔ جس نے ہندو لوگوں اور کالستھ قوم کو فارسی کی تعلیم حاصل کرنے اور سرکاری دفاتر میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ اور خدمات کے صلہ میں جاگیریں عطا کیں۔

اسی زمانہ میں علامہ ابن بطوطہ ایک عرب سیاح ایران ہوتا ہوا ہندوستان میں وارد ہو کر دہلی میں مقیم ہوا اور یہاں کا حاکم مقرر ہو گیا۔ اس نے اپنی تصنیف مرآۃ الاقالیم میں دہلی اور باشندگان ہند کا حال مرقوم کیا ہے۔

اس زمانہ میں یعنی تیرھویں چودھویں صدی عیسوی کے اندر فارسی علم و ادب نظم و نثر، معرفت کا مرکز ایران سے ہٹ کر ہندوستان میں قایم ہونے لگا۔